اسلامی شریعت فطری نظام حیات

ڈاکٹر محمد مسعود

حالاتِ حاضرہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مشرق و مغرب کے لوگ اپنے مروجہ نظامہائے حیات سے غیر مطمئن اور بیزار ہیں اور شعوری یا لاشعوری طور پر کسی ایسے نظامِ حیات کے لئے مضطرب اور بے چین ہیں جو ان کے سکون و اطمینان کا باعث بن سکے بالکل اسی طرح جیسے ایک پیاسا انسان اپنی فطری پیاس بجھانے کے لئے پانی کے لئے سرگرداں ہو یا فضا میں چھوٹا ہوا پتھر اپنے فطری مقام یعنی سطح زمین پر آنے کے لئے تیزی سے متحرک ہو۔ لوگوں کا یہ اضطراب اس بات کی واضح علامت ہے کہ مروجہ نظاموں میں فطرتِ انسانی کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب نظام غیر فطری ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسا نظامِ حیات موجود ہے جو فطری کہلانے جانے کا مستحق ہو یعنی جس میں فطرتِ انسانی کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اس طرح انسانوں کو سکون و اطمینان بہم پہنچانے کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ جب ہم اس نظریہ سے مختلف نظامہائے حیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ایسا نظام حیات صرف اسلام ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ۔ (الروم۔۳۰)

تم اپنا رُخ یکسو ہو کر اس دین یعنی اسلام کی طرف کر لو۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام یعنی اسلامی نظامِ حیات فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور چونکہ فطرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اس لئے ہر دور کے انسانوں کے لئے اسی دین کو اختیار کرنا ضروری اور ناگزیر ہے۔

مخصوص فطرت پر ہر شئے کی تخلیق

اللہ تعالیٰ نے انسان سمیت کائنات کی ہر شئے کی ایک مخصوص فطرت بنائی ہے یعنی ان اشیاء میں کچھ خصوصیات رکھدی ہیں جن کا اظہار ان اشیاء کے مخصوص قوانین سے ہوتا ہے مثلاً روشنی کی یہ خاصیت یا اس کا یہ قانون ہے کہ جب وہ کسی چمکدار شئے پر پڑتی ہے تو ایک مخصوص زاویے پر منعکس ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مقناطیسی سوئی کو آزادانہ معلق کیا جائے تو وہ اپنا رخ شمالاً جنوباً کر لیتی ہے۔ غرضکہ ہر شئے اپنے مخصوص قوانین کی پابندی کے ذریعے اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل پر مجبور ہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:۔

ربنا الذی اعطیٰ کل شئی خلقہ ثم ھدیٰ

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی تخلیق عطا کی پھر اس کی رہنمائی کردی۔

یہ رہنمائی دراصل مذکورہ قوانین کی شکل میں ہی کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز جبراً اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں جبراً داخل مخلوقات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی مخلوق کو بھی پیدا کرنا منظور تھا جو اپنے ارادے اور اختیار سے بھی اس کی عبدیت اختیار کرتا یعنی اس کے قوانین پر عمل کرنا قبول کرے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا اور اس کی بھی ایک مخصوص فطرت بنائی گئی۔

اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ ثم ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ

(بخاری۔ کتاب الجنائز)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ان قوانین کا جن کی اس کو پابندی کرنی چاہیئے علم پیدائشی طور پر حاصل ہوتا ہے اور اس کا فطری تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ان پر عمل کرے مگر ماحول کے

اثرات کی وجہ سے فطری تقاضے کے خلاف وہ ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کر لیتا ہے ۔ اللہ تعالے نے انسان کے فطری اور غیر فطری تقاضوں کو دو راستوں سے تعبیر فرمایا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

وھدینٰہ النجدین (البلد آیت ۱) ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں

ان دونوں راستوں کے لئے قرآن کریم میں دو نہایت بلیغ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں سے ایک ہے معروف دوسرا ہے منکر، معروف کے معنی ہیں جانا پہچانا ، مانوس اور پسندیدہ ، اور منکر کے معنی ہیں نا مانوس، اوپرا اور ناپسندیدہ ۔ اس طرح معروف پر عمل کرنے اور منکر سے دُور رہنے کی خواہش ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے ۔

فطری تقاضے کے تحت ہر انسان اس عظیم ترین ہستی کی بندگی کرنا چاہتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفع اور نقصان ہو۔ اس طرح ایک اللہ کی بندگی انسان کے نزدیک معروف اور غیر اللہ کی بندگی منکر ہے ۔ مگر ماحول کے اثرات کی وجہ سے وہ غلطی سے کسی مخلوق کو اپنے نفع نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی بندگی کرنے لگتا ہے ۔

اسی طرح ہر انسان بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند مثلاً وہ پسند کرتا ہے صداقت کو، رحمدلی کو اور اخلاص کو، اور ناپسند کرتا ہے جھوٹ کو، ظلم کو اور منافقت کو۔ اور اگرچہ ماحول کے اثرات کی وجہ سے بعض لوگ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور ظلم بھی کرتے ہیں لیکن وہ ان اعمال کو دل سے پسند نہیں کرتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی جھوٹے انسان سے بھی جھوٹ بولا جائے یا ظالم پر بھی ظلم کیا جائے تو وہ اسے کبھی پسند نہیں کرے گا ۔ مگر صداقت۔ رحمدلی وغیرہ اوصاف ہر حال میں ہر ایک کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

دیگر اشیائے کائنات انسان کو اپنی فطرت کے تقاضوں پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ ان تقاضوں کے خلاف عمل کرنے کی آزادی بھی دے دی گئی ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا (الدھر۔۳)

ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا اب چاہے وہ اسکی قدر کرے یا ناقدری

آزادی دے کر ہی انسان کی یہ آزمائش کی جا سکتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبدیت اختیار کرتا ہے یا نہیں

اس طرح انسان فطرتاً معروف اور منکر کا علم رکھتا ہے۔ اس صلاحیت کے علاوہ جس کو وجدان کہا جاتا ہے انسان میں یہ صلاحیت بھی رکھدی گئی کہ اگر وہ معروف کا ارادہ یا معروف پر عمل کرتا ہے تو اس کے اندر سے تحسین و آفرین کی صدا آتی ہے اور اگر منکر پر عمل کرتا ہے تو اس کو اپنے اندر سے ملامت کا احساس ہوتا ہے۔ عرف عام میں اس صلاحیت کا نام ضمیر ہے۔ وجدان اور ضمیر کے علاوہ انسان میں حواس بھی پائے جاتے ہیں جن کا تقاضا ہے مشاہدہ کرنا۔ اس میں عقل بھی موجود ہے جس کا کام ہے مشاہدے سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر استدلال کر کے نتائج اخذ کرنا۔ ان کے علاوہ انسان میں احساسات جذبات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں خواہشات بھی موجود ہیں اب وہ نظام یقیناً فطری کہلائے گا جو ان فطری صلاحیتوں کو معروف کی حدود میں اظہار کا موقعہ دے اور منکر کی حدود میں آنے سے روکے۔

قبل اسلام دنیا میں فطری صلاحیتوں کا تعطل یا غلط استعمال

اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ کوئی نہ کوئی فطری صلاحیت یا تو معطل تھی یا اس کا استعمال اس کے فطری تقاضے کے خلاف ہو رہا تھا۔ معروف کو چھوڑ کر منکر کو اختیار کیا جا رہا تھا۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے بجائے زمین و آسمان کی کسی نہ کسی چیز کو نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں نیک نیتی سے منکر کو معروف سمجھ کر اختیار کیا جا رہا تھا مثلاً سخاوت کے نام پر اسراف ہو رہا تھا۔ خودداری کے نام پر غرور اور حمیت کے نام پر عصبیت کو اختیار کیا جا رہا تھا۔ علم پر جس کا حصول انسان کی فطری خواہش ہے پادریوں اور پنڈتوں وغیرہ کی اجارہ داری تھی۔ کہیں کہیں جہالت کو فخر کی بات تصور کیا جاتا تھا۔ حواس کے مشاہدات اور عقل کے ذریعے استدلال کر کے قوانین فطرت دریافت کرنے کا سلسلہ ساری دنیا میں منقطع تھا۔ ضمیر کی آواز کو مذہبی طبقوں یا حکام وقت کی طرف سے دبایا جا رہا تھا۔ یورپ میں رہبانیت کے نام پر انسانی تعلقات اور جنسی روابط کی فطری خواہشات کو کچلا جا رہا تھا۔ ہندو جوگیوں میں انسان کی فطری خواہشات کو فنا کر کے جذبات کو کچلنا اور جسم کو تکلیف پہنچانا عبادت کا سب سے بڑا کام اور روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ادھر اس وقت دنیا کی دو سب سے

بڑی سلطنتوں یعنی سلطنتِ روما اور سلطنتِ فارس کے حکمران اپنی رعایا کی خدمت کی بجائے جو کہ تنظیمِ انسانی کا فطری مقصد ہے عوام کی جان و مال کو اپنی خدمت اور عیش و عشرت کے لیے استعمال کر رہے تھے اور عوام سے عبادت کی حد تک اپنی اطاعت کرا رہے تھے۔ غرضیکہ ہر طرف فطرتِ انسانی کے خلاف جنگ جاری تھی۔

اسلام میں فطری صلاحیتوں سے کام لینے کا حکم

اِس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری نظامِ حیات اسلام کا پیغامبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو یہ بتایا کہ نفع نقصان کا اصل مالک صرف اللہ ہے لہٰذا لوگ صرف اسی کی عبادت و اطاعت کریں۔ آپ نے معروف کی دعوت دی، اور منکر سے روکا۔ آپ نے ایک طبیب روحانی کے طور پر اپنی تعلیم کے ذریعے لوگوں کو معروف کو اختیار کرنے اور منکر سے دور رہنے کے فطری تقاضے کی طرف لانے کی کوشش فرمائی۔ اسی روحانی علاج کا نام تزکیہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی انسان کی بھوک ختم ہونے یا اس کا ذائقہ خراب ہونے پر ماہر طبیب علاج کر کے اس کو فطری حالت کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا ذائقہ ٹھیک ہو جائے اور بھوک بحال ہو جائے۔ آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تمام فطری صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں جن کو معروف کی حدود میں استعمال کرنا چاہیے اور اُن کو نہ تو بے کار چھوڑنا چاہیے اور نہ ہی منکر کی حدود میں لانا چاہیے۔ جو لوگ انسانوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر اللہ کو پکارتے تھے ان کو انسانوں کے درمیان زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی۔ مسلمانوں کو حصولِ علم کا حکم دیا گیا اور حواس و عقل سے کام لینے پر زور دیا گیا۔ جو لوگ لذات و خواہشات کے فنا کرنے اور جسم کو اذیت دینے کو عبادت سمجھتے تھے ان کو اللہ کی نعمتیں استعمال کرنے اور جسم کو راحت پہنچانے کی ہدایت کی گئی۔ آزادیٔ ضمیر کو تسلیم کیا گیا اور ضمیر کی آواز کو نیک و بد اعمال میں امتیاز کا ذریعہ بتایا گیا۔
مختصر یہ کہ وہ تمام اقدامات کیے گئے جن سے انسان اپنی فطرت کی طرف لوٹ سکے اور تمام فطری صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق توازن کے ساتھ بروئے کار لا سکے۔

انسانی معاشرے کا راستی پر قیام

اللہ تعالےٰ کے احکام کے مطابق توازن کے ساتھ تمام فطری صلاحیتوں کا استعمال انسانی معاشرے کو راستی پر لانے کا ذریعہ ہے اور معاشرے کو راستی پر لانا ہی دراصل پیغمبروں کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ (الحدید۔ ۲۵)

اور ہم نے پیغمبروں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ راستی پر قائم ہو جائیں۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے کو راستی پر لانے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ایک پیغمبر کی شخصیت، دوسرے اللہ تعالےٰ کے احکام و قوانین پر مشتمل کتاب، تیسرے ان احکام و قوانین پر توازن کے ساتھ عمل۔ پیغمبر خود بھی توازن کے ساتھ عمل کر کے دکھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ وہ انہیں کی طرح عمل کریں۔

اس آیت میں لفظ میزان غور طلب ہے۔ میزان ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جو دو اطراف کے درمیان توازن یا عدم توازن کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی مدد سے دونوں اطراف کے درمیان توازن بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ جب میزان کے دونوں طرف وزن ایک سا نہیں ہوتا تو میزان سیدھی نہیں رہتی اور اس کا ایک حصہ اُوپر کو اُٹھ جاتا ہے اور دُوسرا نیچے کو جھک جاتا ہے۔ جو حصہ اُوپر کو اٹھا ہوتا ہے اس میں ایک قسم کا تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نیچے کی طرف آکر دوسرے حصے کے برابر ہو جانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نیچے والے حصے کا وزن کم کر دیا جائے تو اوپر والا حصہ نیچے ہو کر پہلے والے کی سیدھ میں آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر افراد کی مختلف صلاحیتوں کے درمیان یا معاشرے کے مختلف طبقوں کے درمیان عدم توازن پایا جائے تو افراد کی مختلف صلاحیتوں کے درمیان اور معاشرے کے بعض افراد اور بعض طبقوں میں تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس عدم توازن اور ناانصافی کی وجہ سے لوگوں میں سکون و طمانیت باقی نہیں رہتا، اور باہم نفاق اور نفرت کی فضا

پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ بدامنی اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ میزان کے دونوں اطراف میں برابری کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ میزان کے ایک طرف جو چیز رکھی گئی ہو بعینہٖ ویسی ہی چیز دوسری طرف بھی رکھی جائے بلکہ یہ ضروری ہے کہ دونوں اطراف کے وزن یعنی ان دونوں کی قوتیں برابر ہوں۔ خواہ دونوں طرف کی اشیاء بعینہٖ ایک جیسی ہوں یا نہ ہوں۔ میزان کے ایک پلڑے میں گیہوں اور دوسرے میں لوہا ہو یا دونوں میں گیہوں ہوں دونوں صورتوں میں توازن پیدا ہو سکتا ہے بشرطیکہ دونوں پلڑوں کے وزن یعنی قوتیں برابر ہوں۔

مساوات یعنی دو یا دوسے زیادہ چیزوں کا ہر لحاظ سے ایک جیسا ہونا تو فطرت کائنات کے خلاف ہے۔ البتہ قوتوں کا یکساں ہونا فطرت کائنات کی مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم گرامی ہے بدیع جس کے معنی ہیں بغیر نمونے کے کسی چیز کو پیدا کرنے والا۔ اس اسم گرامی کا تقاضہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ مشاہدات اور سائنسی تحقیقات سے بھی اس اختلاف کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً دو درختوں کی سبزی ایک جیسی نہیں ہوتی، دو شاخوں کے پھول ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایک پھول کی پتیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ اسی طرح کائنات کی مختلف اشیاء کی قوتیں بھی مساوی نہیں ہوتیں۔ زمین، چاند اور سورج وغیرہ میں سے ہر ایک اپنی قوت کشش کے ذریعے دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی سیارہ دوسرے سے نہیں ٹکراتا قرآن کریم میں زمین، چاند اور سورج کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ

لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون (یٰس۔۴۰)

نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو جا لے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔

ایک دوسرے سے نہ ٹکرانے کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذاتی قوتوں کی عدم مساوات کے باوجود کسی نہ کسی طریقے سے ان کی قوتوں کا اثر برابر کر کے ان میں توازن پیدا فرما دیا ہے۔

والسماء رفعہا ووضع المیزان الا تطغوا فی المیزان ۔ (الرحمٰن ۷،۸)

اور آسمان کو بلند کیا اور اس میں توازن قائم کیا کہ تم اس توازن میں بگاڑ پیدا نہ کرو گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ توازن کیسے قائم کیا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ۔ ممکن ہے یہ توازن فاصلوں کی مناسب ترتیب سے قائم کیا گیا ہو جیسے روزمرہ کے مشاہدات سے توازن قائم کرنے کی بعض صورتیں سامنے آتی ہیں ، مثلاً بچوں کا ایک کھیل ہے جس میں ایک ڈنڈا زمین میں گاڑ کر اس پر ایک تختہ رکھ دیا جاتا ہے اور دو مساوی وزن کے بچے اس کے دونوں طرف بیٹھ جاتے ہیں ۔ اس طرح تختے کا توازن برقرار رہتا ہے لیکن اگر ایک بچہ بھاری ہو تو پھر تختے کو کم وزن والے بچے کی طرف سرکانا پڑتا ہے ۔ اس طرح چھوٹے بچے کی طرف تختے کا زیادہ حصہ کر دینے سے وزنوں کا توازن قائم ہو جاتا ہے ۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو توازن قائم فرمایا ہے انسان کو اس میں خلل اندازی کی اجازت نہیں ہے ۔ ایک اور آیت میں انسان کو اپنے اعمال میں بھی توازن پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انسان کو اس توازن میں کمی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان ۔ (الرحمٰن ۔ ۹)

اور وزن کو برابری کے ساتھ قائم کرو اور توازن میں کمی نہ کرو ۔

یہ حکم صرف ترازو سے تول کے سلسلے ہی میں نہیں ہے بلکہ تمام انسانی اعمال میں توازن و اعتدال قائم کرنے کے لئے ہے ۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں انسانی معاشرے میں توازن پیدا کرنے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں مثلاً مختلف افراد کے درمیان اقتصادی عدم توازن کو دور کرنے کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی ۔ حدیث شریف میں زکوٰۃ کے بارے میں آتا ہے کہ یہ مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور مفلس لوگوں کو دی جائے گی ۔ ایک انسان کے مختلف اعمال میں توازن پیدا کرنے کے لئے بھی احکام دیئے گئے ہیں اور طریقے بتائے گئے ہیں مثلاً مال خرچ کرنے کے بارے میں حکم ہے

ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا

(بنی اسرائیل ۔ ۲۹)

نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھو اور نہ اس کو پوری طرح کھول ہی دو یعنی نہ بخل ہی کرو کہ کچھ بھی خرچ نہ کرو اور نہ یہ کرو کہ سارا مال دوسروں کو دے کر بالکل خالی ہو جاؤ اور حسرت زدہ اور ملامت زدہ بن جاؤ ۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہؓ بن عمرو ابن العاص کے بارے میں

معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر جاگ کر نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا

فان لجسدك عليك حقاً وان لعينك عليك حقا وان لزوجك عليك حقا وان لزورك عليك حقا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۹)

کہ تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے اور تیرے ملاقاتی کا بھی تجھ پر حق ہے۔

اسی طرح ایک بار تین آدمیوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے عبادت کے بارے میں اپنے ارادے کا ذکر کیا۔ ایک نے کہا میں تو رات بھر نماز پڑھا کروں گا دوسرے نے کہا میں تو روزہ رکھا کروں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں تو عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور زندگی بھر شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، کیا تم لوگ ہی اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا ہوں اور اس کے احکام کی پابندی کرنے والا ہوں۔ میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں راتوں کو (نفلی) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے۔ تو جو شخص میرے طریقے سے ہٹے گا اس کا مجھ سے تعلق نہیں۔ (بخاری مطبوعہ لنڈن صفحہ ۴۱۰، ۴۱۱)

غرضیکہ اسلام نے زندگی کو متوازن بنانے کی دعوت دی اور اس کے طریقے سکھائے تاکہ تمام فطری صلاحیتوں کا استعمال ہوتا رہے اور سب کے حقوق ادا ہوتے رہیں۔

اسلامی احکام کی فطریت

اسلام کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس لئے ہر دور میں ان کی تعمیل ناگزیر ہے مثلاً نماز کا حکم انسان کے فطری تقاضے کے مطابق ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ انسان جب کسی چیز کو اپنے نفع نقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کے دل میں اس چیز کی عظمت قائم ہو جاتی ہے اور وہ اس سے ڈرتا بھی ہے اور محبت بھی کرتا ہے۔ زبان سے اس کی تعریف بھی کرتا ہے ادب و احترام کے اظہار کے لئے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ تعظیم کرتا ہے تو اس کے سامنے

رکوع کی شکل میں جھکتا ہے اور بھی زیادہ تعظیم کرتا ہے تو اس کو سجدہ کرتا ہے۔ چنانچہ بتوں کے سامنے، چاند، سورج اور ستاروں کے سامنے اور بادشاہوں وغیرہ کے سامنے بہت سے لوگ یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اسلام یہ بتاتا ہے کہ ساری کائنات کے نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لئے قیام، رکوع اور سجود وغیرہ کے ذریعے اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے کرنا چاہیے اور اسی کی عظمت کا اعتراف کرنا چاہیئے

اسلام کی عالمگیریت اور ابدیت

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت معاشرہ بہت سادہ تھا مگر آج معاشرے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں اس لئے اسلام آج کے معاشرے کے مسائل کیسے حل کرسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام انسانی معاشرت کے لئے اصول و کلیات فراہم کرتا ہے جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں اور مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان اصول و کلیات کی حدود میں رہکر اپنا نظام حیات مرتب کریں اور اپنے مسائل کو حل کرتے رہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلیہ بیان فرمایا کہ

کل مسکر حرام (مسلم۔ کتاب الاشربہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے

یہ کلیہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ اس کا ذہنی یا جسمانی توازن بگڑ جائے یا اس کی صحت خراب ہو جائے یا زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ چونکہ نشہ آور چیزیں جلدی یا بدیر ذہنی اور جسمانی توازن کو بگاڑتی ہیں اور صحت و زندگی کے لئے خطرہ ثابت ہوتی ہیں اس لئے ان کو حرام کر دیا گیا۔ یہ تو ہوئی ایک ایسی مثال جس میں ایک فطری قانون کام کرتا ہے۔ اب ذرا ایک نسبتاً پیچیدہ مثال لیجئے جس میں بیک وقت کئی قوانین کارفرما ہیں۔ اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ایک مسلمان کو کونسا لباس پہننا چاہیئے اور کونسا لباس اسلامی کہلا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لباس کے سلسلے اسلام نے کچھ اصول مقرر کر دیئے ہیں جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں مثلاً یہ کہ لباس ستر پوش ہو۔ ظاہر ہے کہ فطرتاً ہر انسان میں شرم و حیا پائی جاتی ہے اور وہ اپنا ستر چھپانا چاہتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ لباس سے فخر و غرور کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ فطرتاً کوئی انسان

فخر و غرور کو پسند نہیں کرتا۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ وہ کسی قوم کا مذہبی شعار نہ ہو۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

من تشبہ بقوم فھو منھم۔ (ابو داؤد۔ کتاب اللباس)

جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہو گا۔

مشابہت سے انفرادیت جس کا باقی رہنا انسان کی فطری خواہش ہے ختم ہو جاتی ہے اور کسی قوم کا مذہبی شعار اختیار کرنے سے انسان کی سب سے نمایاں انفرادیت یعنی عقیدے کی انفرادیت متاثر ہوتی ہے یہ ہیں چند اصول جو لباس کے سلسلے میں ہمیں ملتے ہیں۔ اب ان اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے ذوق اور ضرورت کے لحاظ سے مختلف سائزوں، ڈیزائنوں، فیشنوں، رنگوں اور کپڑے کی مختلف قسموں کے لباس تیار کئے جا سکتے ہیں اور یہ سب لباس اسلامی ہی کہلائیں گے لیکن اگر کوئی لباس ایسا بنایا گیا جس میں ان سب اصول یا ان میں سے کسی ایک کا لحاظ نہ رکھا گیا مثلاً لباس ستر پوش نہ ہو تو ایسا لباس اسلامی نہیں کہلائے گا اور اسلام کی رو سے ایسے لباس کا استعمال جائز نہیں ہو گا

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت انشورنس اور بنکنگ کا پیچیدہ نظام رائج نہیں تھا۔ اس لئے اس دور میں اس کو اسلامی کیسے بنایا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے کچھ اصول و قوانین مثلاً شرکت و مضاربت کے قوانین اور سود کی حرمت کے قانون کی وضاحت کر دی ہے ان کے تحت بنکنگ اور انشورنس کے نظام کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام نے جو سادہ اصول وضع کر دیئے ہیں ان کے تحت پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے حساب کے سادہ قواعد جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی مدد سے حساب کے پیچیدہ سے پیچیدہ سوالات حل کئے جا سکتے ہیں۔

ہر دور اور موجودہ دور میں اسلام کے قابلِ عمل ہونے کے سلسلے میں ایک اہم نقطے کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی بھی عمل ہو، کسی بھی مقام پر اور کسی بھی ذریعے سے انجام دیا گیا ہو وہ یا معروف کے دائرے میں آتا ہے یا منکر کے۔ اسلام نے معروف و منکر کی وضاحت پورے طور پر کر دی ہے، اور اس کے بارے میں احکام بھی صادر کر دیئے ہیں۔ اب اگر اعمال کے ذرائع، مقامات یا زمانہ بدلتے ہیں تو اعمال کی نوعیت اور ان کے احکام میں کوئی فرق نہیں پڑے گا مثلاً

اس دور میں کلب، سینما، تھیٹر، ٹی۔وی اور ریڈیو وغیرہ موجود ہیں جو پہلے نہیں تھے تو یہ دراصل مختلف مقامات اور ذرائع ہیں جن میں مختلف انداز سے اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان سب کی اچھائی اور برائی اس بات پر موقوف ہے کہ انہیں معروف کے لئے استعمال کیا جارہا ہے یا منکر کے لئے۔ اب مثلاً اسلام میں فحاشی ممنوع ہے اس لئے کہ وہ منکر ہے تو فحاشی چاہے جھونپڑیوں میں ہو، محلات میں ہو، سڑکوں پر ہو کلب میں ہو، تھیٹر میں ہو یا ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے ہو اور اس کا کوئی بھی انداز ہو اس کے منکر ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسی طرح ناحق قتل منکر ہے۔ تو قتل خواہ چھری سے ہو یا تلوار سے یا بندوق سے یا توپ سے یا ایٹم بم وغیرہ سے ہو اس کے منکر اور ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ انداز، مقامات اور ذرائع کے بدل جانے سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ بنیادی مسائل بدل گئے یا انسانیت کے تقاضے بدل گئے۔ انسان کی فطرت وہی ہے۔ معروف اور منکر کی نوعیت وہی ہے۔ اس لئے بدلے ہوئے ذرائع، مقامات اور انداز کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ اسلام ان مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود نہیں تھے دراصل ایک زبردست غلط فہمی ہے۔

جس طرح کائنات میں جب دو متضاد سائنسی قوانین کسی ایک شئے پر کام کرتے ہیں تو جس قانون کی قوت زیادہ ہوتی ہے وہ مؤثر ثابت ہوتا ہے اور دوسرا قانون بظاہر معطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب نفسِ انسانی سے متعلق دو متضاد فطری قانون جمع ہو جائیں تو پھر اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جس قانون کی قوت زیادہ ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ مثلاً کوئی چیز فضا میں چھوڑی جائے تو قانون کشش ثقل کے تحت وہ زمین پر گر پڑتی ہے لیکن ہائیڈروجن گیس سے بھرا ہوا غبارہ نیچے نہیں گرتا بلکہ ہوا کے دباؤ سے اوپر جاتا ہے۔ اس صورت میں قانون کشش ثقل معطل ہو جاتا ہے اور ہوا کے دباؤ کا قانون مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان فطرتاً اپنے جسمانی یا ذہنی توازن و اعتدال کو قائم رکھتا ہے اور اس لئے اس کے واسطے منشیات کا استعمال اسلام میں ممنوع ہے۔ لیکن انسان فطرتاً اپنی جان کو بھی بہت زیادہ عزیز رکھتا ہے اور ہر قیمت پر اسے بچانا چاہتا ہے۔ اب یہ واضح ہے کہ انسان کی جان اس کے توازن کی نسبت زیادہ قیمتی ہے۔ تو اب اگر کوئی انسان کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس میں اس کی جان بچانے کے لئے منشیات کا استعمال ناگزیر ہو تو اس کے لئے جان بچانے کی خاطر بقدر ضرورت منشیات کا استعمال

لازمی ہو جائے گا۔

غیر مسلم اقوام کے تجربات سے استفادے کی حدود

اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ دوسری قوموں کی وہ چیزیں جو معروف کی حدود میں آتی ہوں قبول کر لی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب معاشرے کی ہر چیز کو نہیں بدلا تھا بلکہ جو چیزیں اسلامی اصول کے خلاف تھیں صرف ان کو بدلا اور جو ان اصول کے خلاف نہیں تھیں ان کو باقی رکھا مثلاً جو لباس اسلام سے پہلے پہنا جاتا تھا اس کو باقی رکھا البتہ ستر پوشی کی تاکید کی اور ازار کو فخر و غرور کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اسی طرح جب صحابہ کرام تجارت اور فتوحات وغیرہ کے سلسلے میں عرب سے باہر نکلے تو انہوں نے دوسری قوموں کے حالات پر تنقیدی نظر ڈالی اور دوسری قوموں کے علوم و فنون، زراعت و تجارت کے طریقوں اور کپڑوں اور برتنوں وغیرہ تمدن کی چیزوں کو اپنا لیا۔ جو رسم و رواج اسلامی عقائد اور اصول کے خلاف پائے ان کو رد کر دیا۔ آج یہی کچھ ہمیں بھی کرنا چاہیئے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں انسانی فلاح و بہبود کی جو چیزیں انسانی تجربات کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں وہ خواہ ہندوستان میں ہوں یا چین میں یا روس میں یا کسی اور ملک میں وہ ہمیں بلا تامل قبول کر لینی چاہیئیں اور ایسا ہم کر بھی رہے ہیں۔ مثلاً اور قوموں کی تیار کردہ ادویات اور سائنسی ایجادات اسلامی ملکوں میں استعمال کی جا رہی ہیں لیکن دوسری قوموں کے جو نظریات اور رسوم و رواج اسلامی عقائد اور اسلامی اصول کے خلاف ہوں انہیں یکسر مسترد کر دینا چاہیئے۔

فطری قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج

چونکہ اسلامی قوانین فطرت انسانی کے مطابق ہیں اس لئے اسلامی قوانین کی خلاف ورزی فطرت سے جنگ کے مترادف ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ نقصان اور خلفشار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اہل یورپ نے جو فطری قوانین کی خلاف ورزیاں کی ہیں ان میں سے صرف ایک قانون کو لیجئے کہ اسکی خلاف ورزی کی وجہ سے مغربی معاشرے میں کسی قدر فساد و انتشار پھیل گیا ہے۔ اہل یورپ نے اس فطری قانون کو نظر انداز کیا کہ مردوں اور عورتوں میں جنسی رقابت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ کوئی مرد یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بیوی کا دوسرے

مرد سے تعلق قائم ہو۔ اسی طرح کوئی خاتون یہ نہیں چاہتی کہ اس کا شوہر دوسری عورتوں سے تعلقات قائم کرے۔ اگر کوئی مرد یا عورت کسی غیر سے تعلق پیدا کرے تو اس سے رقابت پیدا ہوتی ہے جس سے قلب اور اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ یورپ میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ میل جول جتنا زیادہ ہوتا گیا اتنی ہی جنسی رقابت پیدا ہوتی گئی اور یہ رقابت جھنجھلاہٹ اور گھریلو جھگڑوں میں ظاہر ہوئی اور بالآخر یورپ میں طلاق کی شرح بڑھ گئی ہے۔ اس طرح گھر جو کہ معاشرے کی اکائیاں ہوتی ہیں برباد ہو رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ آج سارے یورپ میں مرد اور عورتیں اسی صورتِ حال سے دوچار اور بیزار ہیں مگر ان کے پاس اس آزادانہ میل جول کو روکنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے پیش آیا کہ یورپ کے لوگوں نے ایک فطری قانون کی خلاف ورزی کی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر فطرت کے بہت سے قوانین کی خلاف ورزی کی جائے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس کے برعکس اسلام عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول پہ پابندی لگاتا ہے۔ تنہائی میں نامعلوم عورت اور مرد کے ملنے جلنے کو قرار دیتا ہے اور ہر وہ اقدام کرتا ہے جس سے انسان اپنی زندگی فطری قوانین کے مطابق گزار سکے۔

آج خود مسلمانوں میں بھی فطری صلاحیتوں اور فطری قوانین کو نظرانداز کیا جا رہا ہے مثلاً بعض لوگ اپنا ذریعہ معاش خود پیدا نہیں کرتے اور توکل کے نام پر دوسروں کی آس میں بیٹھے رہتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو معاش کے حصول کی جو صلاحیت دی ہے اس کو ضائع کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے معاملات میں دیانتداری سے کام لیتے ہیں اور ان کے دل میں تو اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہتی ہے لہٰذا نماز کی کیا ضرورت ہے۔ اس قسم کے لوگ اپنے فکر و عمل میں یقیناً غلطی پر ہوتے ہیں، متوازن رویہ یہ ہے کہ کسب معاش کے وقت معاش کا اہتمام کیا جائے اور نماز کے وقت نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح اپنے اپنے وقت پر معروف کی حدود میں تمام صلاحیتوں کا استعمال کیا جائے اور تمام فطری تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور چونکہ فطرت بدلتی نہیں ہے لہٰذا یہی دین جو آج سے چودہ سو سال پہلے قابلِ عمل تھا بلکہ واجب عمل تھا وہ آج بھی قابلِ عمل ہے واجب عمل اور ناگزیر ہے اور جس طرح وہ پچھلے ادوار میں انسانی مسائل کا

حل پیش کر سکتا تھا اسی طرح آج بھی پیش کر سکتا ہے۔ جس طرح پہلے انسانیت کے دکھ درد کا علاج ثابت ہوا تھا اسی طرح آج بھی علاج ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور کی یہ اشد ضرورت ہے کہ مسلمان اسلام کا جو کہ ایک فطری نظامِ حیات ہے علم بھی حاصل کریں اور اس عملی نمونے کے مطابق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل کریں اور ریاستی سطح پر بھی اس کو نافذ کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعد میں آپ کے اتباع میں خلفائے راشدین نے نافذ کیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی تبلیغ اور اپنے عملی نمونے کے ذریعے دنیا کی دوسری قوموں کو بھی ترغیب دیں کہ وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ آئیں اور فطری نظامِ حیات اسلام کو اختیار کر لیں۔ مسلمان ان قوموں کو بتائیں کہ اسلام انہیں کسی نئی بات کی طرف نہیں بلاتا۔ اسلام انہیں صرف معروف یعنی ان چیزوں کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے جس کو فطری طور پر وہ خود بھی پسند کرتے ہیں اور انہیں صرف منکر یعنی ان چیزوں سے روکتا ہے جن کو فطری طور پر وہ خود بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ اپنے سکون و اطمینان اور فلاح و نجات کی خاطر دین اسلام کو اپنا لیں۔ یہ سب کچھ کر کے ہی ہم اس فرض منصبی کی ادائیگی کر سکتے ہیں جو اس زمین پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتا ہے اور ایسا کر کے ہی دنیا اور آخرت میں سلامتی اور کامیابی کا حصول ممکن ہے۔